آدابِ فتویٰ نویسی

فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول وآداب، شامیہ کے تعارف
اور اُس کی کتابیات وشخصیات کے تذکرے کے ساتھ

تألیف
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

ناشر
الفلاح پبلشر
0321-5728310

تمام حقوق محفوظ ہیں

کتاب.....آداب فتویٰ نویسی

تالیف.....مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع اول.....صفر ۱۴۲۸ھ

ناشر.....الفلاح پبلشر

اسٹاکسٹ: ادارۃ الانور

دکان نمبر2 پلاٹ نمبر GRE 672/4، انور مینشن، بنوری ٹاؤن، کراچی

فون نمبر: 4919673، 021-4914596 موبائل 0300-2573575

E-mail: idaratulanwar@yahoo.com

web: www.idaratulanwar.com

ناشر: الفلاح پبلشر، کراچی

فون نمبر: 0321-5728310

فہرست

آداب فتویٰ نویسی

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱-	تلخیصی امانت	۸
۲-	دو تمہیدی باتیں	۱۰
۳-	جواب زبانی یا تحریری	۱۱
٤-	کونسا سوال وصول کیا جائے	۱۲
٥-	کونسے سوال کا جواب دیا جائے	۱۲
٦-	جواب نہ دینے کی سات وجوہات	۱۳
	سوال وصول کرنے کے بعد	
۷-	سوال میں نقص، ابہام یا اضافہ	۳۰
۸-	سوال کی تکمیل سائل سے کروایئے	۳۱
۹-	تردید یا تشقیق ممنوع ہے	۳۱
	جواب لکھتے وقت	
۱۰-	جواب کو قاطع اشکال ہونا چاہیے	۳٤
۱۱-	تصحیح عقد یا تجویز متبادل	۳٦
۱۲-	تصحیح عقد	۳٦
۱۳-	متبادل صورت	٤۰
۱٤-	اجتماعِ تصحیح وتجویز	٤۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
١٥-	ضرورت صحیحہ کے بغیر تصحیح وتجویز نہیں ہوتی	٤٤
١٦-	اپنی رائے کو متہم سمجھیے	٤٧
١٧-	مکرر سوال کا جواب	٤٩
١٨-	غیر سائل کو جواب کی فراہمی	٤٩
	تمرین فتویٰ	
١٩-	سوال کا انتخاب	٥٠
٢٠-	حل استفتاء کی چار بنیادیں	٥٠
٢١-	کم از کم تین مرتبہ	٥٢
٢٢-	حقیقت خارجیہ کی جستجو	٥٢
٢٣-	تمرین کا معیاری طریقہ	٥٣
٢٤-	جزئیات کی تلاش	٥٦
٢٥-	کلیات سے جواب	٥٧
٢٦-	کلیات سے سوال	٥٨
٢٧-	مراجع ومظان	٥٨
٢٨-	لاأدری کی ڈھال	٥٩
٢٩-	بے جا اصرار نہ کیجیے	٦٠
٣٠-	مذاہب اربعہ کے اصل ماخذ	٦٢
٣١-	حکم کی تحلیل کریں	٦٢
٣٢-	اعتدال ضروری ہے	٦٣
٣٣-	اجتماعی مسائل میں مشاورت ناگزیر ہے	٦٤

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۳۴-	حکم نبوی	٦٤
۳۵-	آثار صحابہ	٦٤
۳٦-	طریقۂ تابعین	٦٤
۳۷-	طرز مجتہدین	٦٥
۳۸-	سنت اسلاف	٦٥
۳۹-	عملِ اکابر	٦٦
	تحریر فتویٰ	
٤٠-	اصلاحِ اول	٦۷
٤١-	اصلاح دوم	٦۸
	اجزائے فتویٰ	
٤۲-	(۱) تمہید	۷۱
٤۳-	(۲) اصل جواب	۷۲
٤٤-	(۳) خاتمہ	۷۲
	اسلوب فتویٰ	
٤٥-	معتدل اور متوازن عبارت	۷۳
٤٦-	عام فہم اور آسان زبان	۷٤
٤۷-	سوال کی تان	۷٥
٤۸-	معیاری جواب کی خصوصیت	۷٥
٤۹-	فتوی نویسی کا بہترین اسلوب	۷٦
٥٠-	تہ در تہ سوال	۷۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
٥١-	اسلوب الحکیم	٧٨
٥٢-	مفید اضافات	٧٨
٥٣-	مختصر جواب کب مناسب ہے	٧٩
٥٤-	مفتی کی معلومات کے مطابق جواب	٧٩
٥٥-	کسی جانب جھکاؤ شان علم کے خلاف ہے	٨٠
٥٦-	تغلیط فی الجواب	٨٠
٥٧-	شرعی فتویٰ یا انتظامی مشورہ؟	٨١
٥٨-	ہر جواب "صورت مسئولہ" کے لفظ سے شروع نہ کریں	٨٢
٥٩-	تزویر کا سدّ باب	٨٢
٦٠-	مناسخہ کا سوال	٨٣
	عبارات کا اندراج	
٦١-	عبارت لکھنے کے دو طریقے	٨٤
٦٢-	دعوی اور دلیل میں مطابقت	٨٥
٦٣-	عقائد سے متعلق مسائل کا حوالہ	٨٥
٦٤-	طلاق ثلاثہ کا حوالہ	٨٥
٦٥-	عبارات کا ترجمہ	٨٥
٦٦-	مختلف اجزا کا حوالہ	٨٦
٦٧-	مختلف مراجع سے حوالہ	٨٦
٦٨-	حوالہ جات لکھنے میں احتیاط	٨٧
٦٩-	متفرق باتیں	٨٨

فہرست

برائے

فیض الغفار تعارف ردالمحتار

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱-	تعارفِ ردّ المحتار	۹٤
۲-	متن	۹٤
۳-	شرح	۹٤
٤-	حواشی	۹٦
٥-	فضیلت	۱۰۱
٦-	اہمیت	۱۰٦
۷-	کتاب سے استفادہ کا طریقہ	۱۱۰
۸-	حوالہ دینے کا طریقہ	۱۱۲
۹-	قرة عيون الأخيار تكملة رد المحتار	۱۱٥
۱۰-	التحرير المختار المعروف بـ" تقريرات الرافعي"	۱۱۸
۱۱-	كتابيات رد المحتار	۱۲۰
۱۲-	شخصيات رد المحتار	۱٤٥
۱۳-	مراجع ومصادر	۱۷۰

تلخیصی امانت

آپ کے ہاتھوں میں اس وقت اوراق کا جو مجموعہ ہے یہ قصداً نہیں اتفاقاً وجود میں آیا ہے اور اس میں جامع کا کچھ دخل نہیں، یہ دراصل ہمارے اکابر کی ولایت اور اسلاف سے سچی نسبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی کے دوران تخصص کے سال میں بندہ نے افتاء سے متعلق اپنے اساتذہ کے ملفوظات محفوظ کر لیے تھے۔ پھر اکابر کے ارشادات اور ان کے املائی افادات کے خلاصے بھی جمع ہو کر ایک بیاض سی بن گئی تھی جو یادگار کے طور پر محفوظ رکھی تھی۔ پھر ہوا یوں کہ جب ''شرح العقود'' کے حاشیے کی تکمیل اور امام نووی رحمہ اللہ کے ''آداب الفتوی'' کے تحشیہ کا کام ہو رہا تھا تو کتب اصول فقہ و افتاء کی مراجعت کے دوران ایسی عبارات ملتی گئیں جو ہمارے اساتذہ و اکابر کے ملفوظات و ارشادات کی لفظ بہ لفظ مؤید تھیں یا پھر ان سے ان ہدایات کا استنباط ہوتا تھا جو یہ حضرات اپنے وجدان اور تجربے کی روشنی میں وقتاً فوقتاً دیا کرتے تھے لیکن ان کا ثبوت اسلاف کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے اساتذہ و اکابر کا اسلاف امت کے ساتھ یہ توافق دیکھ کر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان یادداشتوں کی تخریج کی جائے تاکہ ان حضرات کی حقانیت اور ائمہ سلف سے سچی نسبت کی یادگار رہے۔ اس دوران جو نئی باتیں سامنے آتی گئیں انہیں بھی تتمیم فائدہ کے لیے ساتھ درج کر لیا گیا اور یوں یہ مجموعہ تیار ہو گیا، جو درحقیقت اکابر کے ملفوظات اور املائی افادات کی تلخیصی امانت ہے اور اہل علم کی خدمت میں محض دعا اور نصیحت و رہنمائی کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔

آخر میں شامیہ کے متن، شروحات، تکملہ اور تقریرات کا تعارف بھی شامل کیا گیا ہے کہ ان سے عدم واقفیت تخصص کے طلبہ کو کافی عرصے تک خلجان میں مبتلا رکھتی ہے۔ شامیہ میں مذکور سو کتب فقہیہ اور سو فقہائے کرام کا مختصر تذکرہ بھی اس غرض سے دیا گیا ہے کہ متخصصین ان کا ایک بار مطالعہ کر کے مانوس ہو جائیں تو مطالعہ و مراجعت سہل اور دلچسپ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ اس ''عجالہ'' کو افتاء کے میدان میں نو وارد مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نافع بنائے اور ان کی اس حقیر خدمت کو بندہ کے لیے اور تخصص کے ان طلبہ کے لئے جنہوں نے حوالہ جات کی تلاش کے دوران مراجعت میں ہاتھ بٹایا، ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین!

الحمد للّٰہ و کفیٰ، و الصلاۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

أما بعد:

دو تمہیدی باتیں:

افتاء کی کامیاب تمرین کے لیے دو صفات ضروری ہیں:

۱- تیقظ و بیدار مغزی[1]۔ فقاہت نفس اسی کا اعلیٰ درجہ ہے۔

۲- وسعتِ مطالعہ اور صحتِ استنباط[2]۔

اوّل سے نکتۃ الغور سمجھنا اور استفتاء کا تجزیہ و تحلیل کرنا آسان ہوتا ہے، دوسرے سے مراجعِ مسئلہ و مظانِ متوقعہ کی تعیین اور ان سے مسئلے کا استنباط سہل ہوجاتا ہے۔ ان دونوں صفات کے حصول کا طریقہ آگے اثنائے کلام میں آرہا ہے۔

مسائلِ جدیدہ کے حل کے لیے دو چیزیں درکار ہیں: اجتہاد اور تدیّن۔ اجتہاد سے یہاں مراد یہ ہے کہ فقہاء کے اقوال کو واقعات پر صحیح طور پر منطبق کرنا آتا ہو اور یہ اجتہاد ختم نہیں ہوا، بلکہ قیامت تک باقی رہے گا اور تدیّن سے مراد یہ ہے کہ اغراض کا تابع نہ ہو کہ

۱- قال ابن الصلاح: "ویکون فقیه النفس، سلیم الذهن، رصین الفکر، صحیح التصرف والاستنباط، متیقظاً". (أدب المفتي والمستفتي: ۲۱)

۲- قال الإمام النووي: "هذه أصناف المفتین، وکل صنف منها یشترط فیه حفظ المذهب، وفقه النفس. فمن تصدی للفتیا ولیس بهذه الصفة، فقد باء بأمر عظیم". (المهذب شرح المجموع: ۱/۴٤)

کھینچ تان کر ناجائز کو حد جواز میں لائے۔[1]

ان دو تمہیدی باتوں کے بعد اب آداب افتاء بالترتیب لکھے جاتے ہیں۔

جواب زبانی یا تحریری؟

جب کوئی مسئلہ پوچھے تو اس سے پہلے معلوم کرلیں کہ صرف زبانی پوچھنا چاہتا ہے یا اسے تحریری جواب بھی درکار ہے؟ اگر زبانی پوچھنا چاہتا ہے تو زبانی بتادیں، پھر اس کو لکھ کر نہ دیں۔ اگر تحریری جواب چاہتا ہے تو زبانی جواب نہ دیں، استفتاء وصول کر کے جواب کی تاریخ بتادیں۔ دونوں کام نہ کریں، اس میں کئی حکمتیں ہیں:

ایک یہ کہ اس سے آپ کا وقت ضائع اور آپ کی اہمیت کم ہوجاتی ہے، جبکہ مفتی کا وقت قیمتی ہے اور اسے اپنا وقار قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ جب لکھ کر دینا ہی ہے تو زبانی سوال سننے اور جواب بتانے میں اشتغال کا کیا فائدہ؟

دوسرے یہ کہ اگر زبانی جواب اس کے خلاف تھا تو اندیشہ ہے کہ وہ تحریری استفتاء میں سوال تبدیل کردے، تاکہ اپنی منشا کے مطابق جواب حاصل کیا جاسکے، کیونکہ اہل اغراض مسئلہ کا ایک رُخ دکھا کر اپنے حق میں فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں، اگر دوسرا رُخ دیکھا جائے تو جواب کچھ اور ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ ممکن ہے زبانی سوال میں کوئی اہم بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو یا وہ آپ کے جواب کو پوری طرح سے سمجھا نہ ہو، جب تحریری جواب میں بدلی ہوئی صورتحال سامنے آئے گی تو بدنظمی اور بدظنی پیدا ہوگی۔

۱- قال الإمام السمعانی: "المفتی من العلماء من استکملت فیه ثلاث شرائط: أحدها:أن یکون من أهل الاجتهاد، وقدقدمنا شروط المجتهد وصفته. والشرط الثانی: أن یستکمل أوصاف العدالة فی الدین حتی یثق بنفسه فی التزام حقوقه وموثق به فی القیام بشروط. والشرط الثالث: أن یکون ضابطا لنفسه من التسهیل کافاً لها عن الترخیص حتی یقوم بحق الله تعالی فی إظهار دینه، ویقوم بحق مستفتیه". (قواطع الأدلة فی الأصول: ۲/ ۸۳٤، وتحفة العلماء لحکیم الأمة التهانوی:۲/ ۲٦٤)

کونسا سوال وصول کیا جائے؟

صرف وہ سوال وصول کیا جائے جو صاف ستھرے اور بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہو، کٹے پھٹے اور میلے کاغذ پر لکھا گیا سوال وصول ہی نہ کریں۔ اس کی دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ اس میں حکم الٰہی اور افتاء کی عظمت ہے۔ دنیوی دفتروں میں معمولی سے افسر کو بھی درخواست بڑے اور صاف کاغذ پر دی جاتی ہے۔ علمِ دین کی عظمت اس سے زیادہ احترام کی متقاضی ہے۔ دوسرے یہ کہ کاغذ جب بڑا ہوگا تو جواب اسی پر لکھا جائے گا، اس سے جعل سازی اور دھوکہ دہی کے امکانات ختم ہوجائیں گے اور سائل کے لیے یہ ممکن نہ رہے گا کہ وہ اپنی طرف سے سوال گھڑ کر آپ کے دیے گئے جواب کے ساتھ لگادے۔[1]

کون سے سوال کا جواب دیا جائے؟

سوال وصول کرتے وقت اسے غور سے پڑھ کر فیصلہ کریں کہ وہ جواب کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ بہت سے سوال ایسے ہوتے ہیں جن کے جواب میں اشتغال مفتی کے لیے مناسب نہیں۔ ایسے مواقع میں حسنِ تدبیر سے کام لیتے ہوئے جواب سے معذرت کرلینی چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: "من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه".

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو کئی مسائل میں توقف مروی ہے، مثلاً: اطفالِ مشرکین کے بارے میں فرمایا: "الله أعلم بما كانوا عاملين". اس کی توجیہ کرتے ہوئے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ کا ان مسائل میں توقف سے مقصد ایسے امور کی تحقیق سے منع فرمانا تھا جن پر دین کے مقصدی امور موقوف نہیں، لہٰذا جن

۱- ينبغي إذا ضاق موضع الجواب أن لايكتبه في رقعة أخرى؛ خوفا من الحيلة، ولهذا قالوا: يصل جوابه بآخر سطر، ولايدع فرجة؛ لئلا يزيد السائل شيئا يفسدها. (مقدمة المجموع: ۵۰)

کو ان کی ضرورت نہ ہو وہ ان کے درپے نہ ہوں، اس لیے انہوں نے سائل کو مجمل جواب دیا، اس کے سامنے تحقیق بیان نہیں فرمائی۔ امام صاحب نے اس اصل کو بہت سی فروع میں ملحوظ رکھا ہے کہ انہوں نے سوال کے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے سائل کو واضح جواب نہیں دیا، بلکہ توقف کے عنوان سے سائل کو سوال لا طائل تحتہ سے روکنا چاہا۔

لہٰذا جب تک سائل کی غرضِ صحیح اور ضرورتِ واقعیہ متیقن نہ ہو جائے، جواب نہ دیا جائے۔ ضرورت کی تعریف یہ ہے: "اگر سائل کو جواب نہ ملے تو اس پر ضرر مرتب ہو"۔

جواب نہ دینے کی سات وجوہات:

ذیل میں وہ وجوہ بیان کی جاتی ہیں جن میں سے کسی ایک کا شبہ ہو تو (اطمینان کیے بغیر) جواب نہ دیا جائے:

۱- پہلی وجہ:

سائل کا مقصد کبھی کسی کی تضحیک، توہین، انتقام یا فتنہ انگیزی ہوتی ہے، ایسی صورت میں حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے معاملہ رفع دفع کر دینا چاہیے۔

۞ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک موقع پر نہایت قیمتی ہدایات بیان فرمائیں:

"آج کل یہ مرض ہے کہ ہر سوال کا جواب ہر سوال کرنے والے کو دے دیا جاتا ہے، حالانکہ ہر سوال کا جواب ہر سائل کے مناسب نہیں ہوتا، مثلاً: اگر کوئی شخص طبیب سے سنکھیا اور کُچلہ[1] کے مدبّر کرنے کی ترکیب پوچھے تو گو طبیب ناواقف نہیں، لیکن کیا ہر

۱- سنکھیا ایک قسم کا زہر ہے جسے سمّ الفار بھی کہتے ہیں۔ کچلہ ایک زہریلا پھل ہے۔ ان دونوں چیزوں کو مخصوص عمل سے گزارا جائے تو بجائے زہر کے دوا بن جاتے ہیں، اسی کو "مدبّر" کرنا یعنی قابل استعمال و انتفاع بنانا کہتے ہیں۔

کسی کو ترکیب بتادینا مناسب ہے؟ اگر کسی طبیب کو کسی مریض پر اطمینان نہ ہو تو اس کو ہرگز وہ نسخہ نہ بتائے گا۔

اسی طرح مفتیانِ کرام کو چاہیے کہ یہ سمجھیں کہ کون سا سوال کس کے منصب کے موافق ہے؟ بعض غیر ضروری سوال ہوتے ہیں بعض غیر مناسب۔ اگر کوئی اصرار کرے تو کہہ دے کہ مجھے تحقیق نہیں اور اگر یہ کہتے ہوئے عار آئے تو کہہ دے کہ یہ سوال تمہارے منصب سے بالاتر ہے، بہت سے بہت وہ یہ سمجھے گا کہ انہیں کچھ آتا نہیں، تو اس سے تمہارا کیا نقصان ہے؟

بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں ہوتے، مثلاً: تقدیر کا مسئلہ یا تصوف کا کوئی باریک مسئلہ، مثلاً وحدۃُ الوجود۔ فرض کیجیے کوئی عامی شخص ایسا مسئلہ پوچھتا ہے، اس کو کیا جواب دیا جائے؟ یہی کہ بھائی! یہ تیری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر اس کو جواب دیا گیا تو وہ گمراہ ہوگا۔

بعض نامناسب سوالات کا جو میں جواب نہیں دیتا تو میرے پاس دھمکی کے خطوط آتے ہیں کہ حدیث میں ہے:

"من سئل عن علم فكتمه، ألجمه اللّٰه بلجام النار يوم القيامة".

یعنی اگر کسی سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو نہ بتلائے تو اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ اس قدر بدتہذیبی پھیل گئی ہے کہ مسئلہ پوچھتے ہیں اور یہ حدیث لکھتے ہیں۔ ارے بھائی! جس سے مسئلہ پوچھا جائے کیا اس سے یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟

کسی عالم سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب نہیں دیا اور وہ کوئی ایسا ہی مسئلہ تھا۔ اس نے انہیں یہی حدیث سنائی۔ انہوں نے اس کو خوب جواب دیا: "بہت اچھا! جب قیامت میں میرے لگام لگے اور میں آپ کو مدد کے لیے بلاؤں تو اس وقت مت آیئے گا، آپ بے فکر رہیں میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا"۔

اگر بلاضرورت ہی تحقیق کا شوق ہے تو مدارس میں جا کر ترتیب سے تعلیم حاصل کیجیے[1]"۔

۞ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ مزید فرماتے ہیں:

" ایک مرتبہ ایک شخص کا خط آیا کہ ایک واعظ صاحب فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت ایک دفعہ تو واجب ہے اور دوسری دفعہ منع ہے"۔ یہ مسئلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

اسی طرح ایک شخص نے لکھا تھا کہ ایک واعظ صاحب یہ فرماتے ہیں: "جو عشاء کی سنتوں کو پڑھے وہ کافر ہے"۔ ایک ایسا ہی مضمون شہادت کربلا کے متعلق تھا۔ اس قسم کے مسائل میں غلط فہمی سے سائل کچھ کا کچھ سمجھ کر پوچھتا ہے اور اس بنا پر جواب حاصل کر کے فساد کا سبب بنتا ہے۔

اس قسم کے سوالات کے متعلق میرا معمول جواب دینے میں یہ ہے کہ لکھ دیتا ہوں:

"انہوں نے کچھ اور فرمایا ہوگا، عالم آدمی کبھی اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتا، آپ نے غلطی سے کچھ اور خیال کر لیا ہے اور اگر واقعی یہ بات ہے تو ان کے ہاتھ سے لکھا کر بھیجیے"۔

فرمایا: "پھر کوئی کچھ نہیں لکھتا۔ یہ طرز رفعِ فتنہ وانسدادِ فساد کے لیے بہت مستحسن ہے"۔

۞ ایک واقعہ اور پیش آیا، جس شخص نے حضرت سے کوئی فتویٰ لیا تھا، اس نے اس پر مناظرانہ انداز سے اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے، اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

" ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جواب لکھ دیا ہے، اگر پسند نہیں ہے تو جس عالم پر اعتماد ہو اس سے رجوع کرو۔ (وفوق کل ذی علم علیم)"۔

۱- تحفۃ العلماء: ۲/ ۲۷۵، ۲۷۶

۞ ایک دفعہ مولانا[1] کے ایک تصحیح کردہ فتویٰ پر کہیں سے کچھ اعتراضات لکھے ہوئے آئے تھے، آپ نے اس کا جواب لکھنا چاہا، مولانا نے فرمایا: "اس کا جواب مت لکھنا! صرف یہ لکھ دو کہ اس کا جواب تو ہے، مگر ہم مرغانِ جنگی نہیں ہیں کہ سوال وجواب کا سلسلہ دراز کریں، بس اس جواب کا حق ایک دفعہ ادا ہوگیا تھا اور یہ لکھ دو کہ اگر اطمینان نہ ہوتو "فوق کل ذی علم علیم" دوسری جگہ دریافت کرلو، جنگ وجدل سے معاف کرو"۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کی بات اس وقت تو سمجھ میں نہیں آئی تھی، مگر اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ جنگ وجدل کرنا اس کا کام ہے جس کو فرصت ہو اور بیکار ہو۔ اس کی مثال ایک حکایت ہے: "ایک شخص کی ڈاڑھی میں سفید بال تھے، جب حجام کے سامنے خط بنانے بیٹھا تو کہنے لگا: سفید بال سارے چن لو۔ نائی نے ساری ڈاڑھی صاف کردی اور کہا کہ تم خود چن لو، مجھ کو فرصت نہیں"۔ کام کا آدمی بکھیڑوں سے اس طرح گھبراتا ہے۔ ہاں شرعی ضرورت ہوتو اور بات ہے، جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھا سکتے ہیں لیکن اعتراض کا تو کوئی جواب نہیں[2]۔

۞ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سوال آیا کہ ہماری مسجد کے امام صاحب فلاں فلاں آداب کا خیال نہیں رکھتے، آیا انہیں ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ سوال کسی مقتدی کی طرف سے تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ اس استفتاء کا مقصد امام

۱- غالباً اس سے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب قدس سرہ مراد ہیں جو فتویٰ میں حضرت تھانوی کے استاذ اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب فن افتاء میں حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے اور وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۲- دیکھیے: تحفۃ العلماء: ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳

صاحب کو حق کی دعوت دینا یا صحیح بات کی طرف توجہ دلانا نہیں، بلکہ ان کی تحقیر اور بعض خلاف احتیاط امور کی تشہیر ہے، چنانچہ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"یہ سوال خود امام کے پوچھنے کے ہیں، ان سے کہیے کہ وہ تحریراً یا زبانی معلوم فرمالیں"۔

۞ ایک صاحب نے ایک مشہور شخصیت کے بارے میں کچھ باتیں لکھ کر سوال کیا: "کیا وہ ان امور کی وجہ سے فاسق ہوگئے؟" آپ نے فرمایا: "مجھے ابھی تک اپنے فسق کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا، میں کسی دوسرے کے بارے میں کیا فیصلہ کروں؟"

۞ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا: "یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟" آپ نے جواب دیا: "یزید کی مغفرت سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرنی چاہیے"۔[1]

(۲) دوسری وجہ:

کبھی مبتدعین یا دوسرے فرقے (خصوصاً غیر مقلدین اور منکرین حدیث) یا مفتن افراد طویل سوالات بھیج کر علماء کو کام سے ہٹا کر لایعنی میں مشغول کرنے یا دِق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی اغراض فاسدہ کو نامراد بناتے ہوئے حسب موقع معذرت یا تنبیہ کرنی چاہیے۔ان کو جواب نہ دینا کتمانِ حق کی وعید میں داخل نہیں، کتمانِ حق وہاں ممنوع ہے جہاں سائل طالب ہو اور اسے جواب نہ ملنے سے ضرر ہو، یہاں تو جواب دینے میں ضرر ہے۔[2]

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے موقع پر دلچسپ واقعات منقول ہیں:[3]

۱- البلاغ، مفتی اعظم نمبر ۱/ ۳۸۵، ۳۸۶

۲- قال الإمام الشاطبي في بيان المواضع التي يكره فيها السؤال:"العاشر: سؤال التعنت والإفحام، وطلب الغلبة في الخصام، وفي القرآن في ذم نحو هذا: ﴿ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا، ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام﴾ وقال: ﴿بل هم قوم خصمون﴾ وفي الحديث: "أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم". (الموافقات: ٤/ ٦٦٤)

۳- دیکھئے: تحفۃ العلماء: ۲/ ۳۰۱-۳۱۴

۞ فرمایا: ”ایک شخص کا خط آیا۔ اس میں لکھا ہے ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے اس نے بیس دن کے بعد اپنی سالی سے نکاح کرلیا ہے۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور شامی میں جو مردوں کے واسطے بیس عدتیں لکھی ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے لکھا: ”نکاح تو ہوگیا، شامی میں جو لکھا ہے وہ خود دیکھ لو مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟“

۞ فرمایا: ”لوگوں کے دماغ خراب ہوگئے ہیں، ایک صاحب نے کچھ مسائل دریافت کیے ہیں، لکھا ہے کہ ان کا جواب حدیث سے تحریر فرمایا جائے، میں نے لکھ دیا ہے: ”فقہ میں تو اس کا جواب یا دہے حدیث میں نہیں، اس لیے معذور ہوں“۔

۞ ایک شخص نے اصحاب کہف کے نام خط میں پوچھے، آپ نے لکھا: ”اصحاب کہف کے اعمال پوچھو، تم ہی اصحاب کہف کی طرح ہو جاؤ گے“۔

۞ ایک شخص نے خط میں سوال کیا کہ بیس رکعت تراویح کا کیا ثبوت ہے؟ اس کا جواب تحریر فرمایا: ”کیا مجتہدین پر اعتبار نہیں؟“

یہ جواب لکھنے کے بعد فرمایا: ”اگر اس شخص نے یہ لکھا کہ ” مجتہدین پر اعتبار نہیں“ تو یہ لکھوں گا کہ ” مجھ پر کیسے اعتبار کرلیا، جب کہ امام ابوحنیفہ جیسے حضرات پر اعتماد نہیں کیا؟“

۞ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میں نے عورت کو لفظ طلاق نہیں کہا بلکہ ”تلاک“ کہا۔ فرمایا: ” نکاح کے وقت بھی نکاح نہ کہا تھا ”نکاہ“ کہا تھا، اگر اس سے نکاح نہ ہوا تھا تو عورت سے نکاح نہ ہونے کے سبب جدا ہونا چاہیے“۔

۞ ایک صاحب کا خط آیا ”جناب آپ خط کے ذریعے لوگوں کو مرید کرتے ہیں، اس کی کیا دلیل ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا: ”یہ میرا فعل ہے، آپ میرے فعل کی دلیل کیوں دریافت کرتے ہیں، آپ کو کیا حق ہے؟ آپ بلا دلیل کسی کو مرید نہ کریں“۔

(۳) تیسری وجہ:

کبھی سائل اپنی حماقت کی وجہ سے فضول سوالات کرتا ہے، جن کا اس کے عقیدے یا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ایسے سوالات کے جواب میں اشتغال کم فہمی کی نشانی ہے۔[1]

ذیل میں حضرت تھانوی قدس سرہ سے منقول چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں جن میں مفتی کے لیے مثالی طرزِ عمل اور لائق تقلید نمونہ ہے:

۞ ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک عورت جارہی تھی، اس کے ساتھ اس کا شوہر اور اس کا بھائی بھی تھا، راستہ میں کسی رہزن نے ان دونوں کو قتل کردیا، اتفاقاً اس طرف سے ایک فقیر کا گذر ہوا، عورت کی التجا سے فقیر نے کہا کہ ان دونوں کا سر دھڑ میں ملا کر رکھ دے، میں دعا کروں گا۔ عورت نے غلطی سے بھائی کا سر شوہر کے دھڑ میں اور شوہر کا سر بھائی کے دھڑ میں جوڑ دیا، فقیر نے دعا کی تو دونوں زندہ ہوگئے۔ اس میں عورت کس کو ملے گی؟

حضرت فرماتے ہیں: "میں نے اس کا جواب نہیں دیا اور سوال کرنے والے کو زجر وتوبیخ کی، کیونکہ ایسے سوال بالکل لغو اور بے ہودہ ہیں، ایسے سوال کا کوئی جواب نہ دینا چاہیے، لوگوں کو چاہیے کہ اپنے کام کی بات دریافت کریں، ایسے فضول سوالات سے تضییع اوقات نہ کیا کریں"۔

۞ کسی نے لکھا حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال پہلے ہوا یا حضرت حوّا کا؟ اور ان دونوں کے بیچ میں کس قدر زمانہ گذرا ہے؟ آپ نے اس کا جواب دیا: "میں نے کہیں نہیں دیکھا"۔

۱- قال العلّامة ابن عابدين الشامي: "يكره الجدال في أن لقمان وذالقرنين وذالكفل أنبياء أم لا؟ وينبغي أن لايسأل الإنسان عمالاحاجة إليه،كأن يقول: كيف هبط جبريل؟ وعلى أيّ صورة رآه النبي صلى الله عليه وسلم؟ وحين رآه على صورة البشر هل بقي ملكا أم لا؟ وأين الجنة والنار؟ ومتى الساعة ونزول عيسى؟ وإسماعيل أفضل أم إسحق وأيهما الذبيح؟ وفاطمة أفضل من عائشة أم لا؟ وأبوا النبي صلى الله عليه وسلم- كانا على أيّ دين؟ وما دين أبي طالب؟ ومن المهدي؟ إلى غير ذلك مما لاتجب معرفته، ولم يرد التكليف به". (رد المحتار على الدر المختار: ٦/٧٥٤)

۞ ایک خط میں آیا تھا کہ معلوم ہوا ہے بھوک کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مبارک پر پتھر باندھا ہے، کتب سیَر کے حوالے بھی دیے ہیں، پوچھا تھا کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے لکھا: "اگر صحیح ہے تو تم کیا کروگے؟" مطلب یہ کہ غیر ضروری تحقیق سے کیا فائدہ؟

۞ ایک شخص نے سوال کیا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" آپ نے اس سائل سے دریافت کیا: "تم سے موت کے وقت یا قبر میں یا حشر میں یا میزان پر یہ سوال ہوگا؟" عرض کیا: نہیں۔ پھر کہا: "کیا تم کو معلوم ہے کہ روز قیامت نماز کی پوچھ ہوگی؟" عرض کیا کہ جی معلوم ہے۔ کہا: "اچھا بتلاؤ نماز میں فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کیا کیا ہیں؟" بے چارہ گم صم ہوگیا۔ فرمایا: "جاؤ! کام کی باتوں میں وقت صرف کیا کرتے ہیں، غیر ضروری سوال نہ کرنا چاہیے"۔

۞ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک سوال آیا کہ عوج بن عنق[1] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا عصا کتنے لمبے تھے؟ آپ نے جواب لکھا: "جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے، اسی طرح جواب کی بھی ضرورت نہیں"۔

۞ فرمایا: "بعض لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں: کوّا حلال ہے یا حرام؟" میں ان سے پوچھتا ہوں: کیا اس کے کھانے کا ارادہ ہے؟ وہ کہتے ہیں: "بھلا اس کو کیوں کھانے لگیں؟" میں نے کہا: "جب ارادہ کھانے کا نہیں تو پھر کیوں پوچھتے ہو؟" کیونکہ یہ فروعی مسائل میں سے ہے، اصول وعقائد میں سے نہیں کہ قیامت میں پوچھ ہو کہ کیا اعتقاد رکھا تھا؟

۱- بنی اسرائیل نے "جبارین" سے لڑنے کا عذر بیان کرنے کے لیے جو روایات گھڑی ہیں، ان میں سے ایک من گھڑت روایت یہ ہے کہ ان "جبارین" میں ایک شخص عوج بن عنق تھا، جس کا قد تین ہزار ذراع تھا۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں مزید افسانہ طرازیاں بھی ہیں، جن کو محققین نے اساطیر میں سے قرار دے کر سختی سے تردید کی ہے۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر میں آیت کریمہ ﴿إن فيها قوماً جبارين﴾: ۲/ ۴۱